آنحضرتؐ کی صفتِ امین

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۹ / دسمبر ۱۹۸۳ء بمقام مسجد اقصیٰ ربوہ)

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کے بعد حضور نے مندرجہ ذیل آیات کی تلاوت فرمائی:

اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ۝ ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ ۝ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ ۝ (التکویر: ۲۰-۲۲)

اور پھر فرمایا:

گزشتہ خطبہ جمعہ میں میں نے امانت سے متعلق کچھ بیان کیا تھا لیکن یہ مضمون اتنا وسیع ہے کہ تمام شریعت پر حاوی ہے۔ یہ ایسی بنیادی صفت ہے جس سے حقیقت میں شریعت کا مضمون پھوٹتا ہے اور دونوں پہلوؤں سے اس کا تعلق ہے یعنی حقوق اللہ سے بھی اور حقوق العباد سے بھی۔

یہ مضمون چونکہ بہت وسیع تھا اس لئے مجھے خیال آیا کہ ایک خطبے کی بجائے دو خطبوں میں کچھ اس کے متعلق بیان کرنے کی کوشش کروں گا۔ اس دوران الفضل میں بعض بڑے اچھے مضامین شائع ہوئے جنہوں نے میرے کام کو آسان کر دیا اور اس مضمون کو سمیٹ دیا۔ بہت سی احادیث ہیں جن کا اس مضمون کے ساتھ تعلق تھا وہ الفضل میں شائع ہو چکی ہیں۔ جماعت نے ان سے یقیناً استفادہ کیا ہوگا۔

میں نے گزشتہ خطبہ میں بیان کیا تھا کہ آنحضور ﷺ امانت میں بلند ترین مقام پر فائز تھے۔ اگرچہ ہر نبی کو امین ہونا لازم ہے یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ خدا تعالیٰ کسی کو رسول بنائے اور امین نہ

بنائے بلکہ امین ہونا نبوت کے لئے شرط اول ہے۔ جب تک کوئی امین نہ ہو اللہ تعالیٰ نبوت اور رسالت کی امانت اس کے سپرد نہیں فرماتا لیکن قرآن کریم کے مطالعہ سے آنحضرت ﷺ کی خصوصی شان دو پہلوؤں سے نمایاں طور پر نظر آتی ہے۔ اول یہ کہ قرآن کریم میں جہاں جہاں بھی انبیاء کے امین ہونے کا ذکر ہے وہاں یا تو انبیاء نے خود اپنی قوم کو مخاطب کر کے فرمایا ہے کہ دیکھو! ہم امین ہیں اور جب دنیا کے معاملات میں امین ہیں اور تم جانتے ہو کہ ہم امین ہیں تو خدا کے معاملہ میں ہم کیسے امانت میں خیانت کر سکتے تھے۔ دوم یہ کہ قوم نے ان کو امین کہا اور دوسروں نے ان کے حق میں گواہی دی کہ یہ امین ہیں لیکن آنحضرت ﷺ کے سوا کسی اور رسول کے متعلق خدا تعالیٰ کی یہ گواہی نہیں ملتی کہ یہ امین ہے۔ یہ صرف اور صرف حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کو اعزازی مقام حاصل ہے کہ آپ کی امانت کے متعلق اللہ تعالیٰ نے خود گواہی دی کہ یہ امین ہے چنانچہ جن آیات کی میں نے تلاوت کی ہے۔ ان میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ۙ﴿۲۰﴾ ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ ۙ﴿۲۱﴾ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ ؕ﴿۲۲﴾

کہ دیکھو! یہ قول جو قرآن کریم کی صورت میں تم سن رہے ہو یہ ایک ایسے رسول کا قول ہے جو صاحب قوت ہے اس کو غیر معمولی قویٰ بخشے گئے ہیں۔ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ اس کا مقام آسمان پر خدائے ذوالعرش کے نزدیک بہت بلند ہے۔ آسمان کا لفظ عرش کا صحیح ترجمہ تو نہیں ہے یوں کہنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے قریب تر اس کا مقام ہے، گویا بلند ترین مقام پر فائز ہے۔ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ اس کی شان یہ ہے کہ یہ کامل طور پر مطاع بنایا گیا۔ ثَمَّ اَمِيْنٍ ہر پہلو سے، ہر لحاظ سے تمام دنیا کو اس کا مطیع بنا دیا گیا ہے اس مقام پر فائز ہونے کے باوجود، اس عظیم الشان قوت کے مقام کو حاصل کرنے کے باوجود پھر بھی یہ امین ہے یعنی عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ ہونے کے لحاظ سے اللہ کی امانت کا حق بھی پوری طرح ادا کر رہا ہے اور لوگوں کا مطاع بننے کے باوجود عرش کے رب کی طرف سے اس کو کلی اختیارات سونپے گئے، اس کا ہو کر تم میں نازل ہوا ہے۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک رنگ میں اس کو مالکیت کے حقوق عطا کئے گئے اس کے باوجود تم سب کی امانتوں کا بڑی تفصیل سے خیال رکھنے والا ہے یعنی اس میں حقوق اللہ اور حقوق

العباد کی ادائیگی میں درجہ کمال کو پہنچنے کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔

ضمناً اس سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ جس طرح انگریزی کا محاورہ ہے Absolute power corrupts absolutely یعنی جب اقتدار کامل ہو جائے ، کسی کے ہاتھ میں مکمل اختیار آ جائے تو اتنا ہی کامل طور پر وہ بد دیانت اور بد اخلاق ہو جاتا ہے۔ کیونکہ کلی اختیارات ایسی ڈکٹیٹر شپ کو پیدا کرتا ہے جس کے نتیجہ میں انسان اپنے آپ کو انسانی حقوق اور ان کے خیالات سے، انسانی احساسات اور ان کی ضروریات سے مبرا سمجھنے لگ جاتا ہے اور اسی شدت کے ساتھ جس شدت کے ساتھ اسے طاقت ملتی ہے وہ بد اخلاق اور بد دیانت ہو جاتا ہے لیکن قرآن نے اس کے بالکل برعکس مضمون بیان فرمایا ہے۔ جس میں دنیا کے اقتدار اور دنیا کی حکومتوں سے مختلف تصور پیش فرمایا ہے اور صرف تصور ہی نہیں بلکہ ایک کامل نمونہ کی شکل میں اس کو حقیقت بنا کر دکھا دیا۔ فرمایا عِنۡدَ ذِی الۡعَرۡشِ مَکِیۡنٍ صاحب عرش کا نمائندہ ہے، اس کے حضور حاضر ہے۔ اس سے بڑا اقتدار دنیا میں کسی کو نصیب نہیں ہوسکتا کہ وہ تمام کائنات کے مالک خدا کی نظر میں اتنا قریب ہو جائے ، اتنا پیارا ہو جائے کہ گویا ہر وقت اس کی آنکھ کے سامنے اور اس کے قرب میں رہتا ہے مُّطَاعٍ اور اس کی طرف سے مُّطَاعٍ بنا دیا گیا ہے، تمام عالم کو اس کا مطیع کر دیا گیا۔ ثَمَّ اَمِیۡنٍ اس کو تمام عالم کا مطاع اور امیر مقرر فرما دیا گیا ہے پھر بھی دیکھو کیسا امین ہے۔ کتنی باریکی اور لطافت کے ساتھ تمہارے حقوق ادا کر رہا ہے۔ امانت کا حق اپنے رب کی طرف سے بھی ادا کر رہا ہے اور بنی نوع انسان کی طرف سے بھی ادا کر رہا ہے۔

قرآن کریم نے آنحضرت ﷺ کو بطور امین جو دوسرا امتیاز بخشا ہے وہ یہ ہے کہ اگر چہ روح القدس ہر نبی پر ظاہر ہوتا رہا اور وہ امین بھی ہے جیسا کہ میں نے بیان کیا تمام انبیاء امین ہیں روح القدس بھی امین ہے اس کا نام روح الامین رکھا گیا ، لیکن کسی اور نبی کی وحی کے ساتھ روح القدس کے علاوہ روح الامین کا لفظ استعمال نہیں ہوا۔ یعنی روح القدس کا نازل ہونا تو ملتا ہے لیکن روح الامین کا کہیں ذکر نہیں ملتا اور جب کسی شخص کی خاص صفت کو نمایاں طور پر بیان کیا جاتا ہے تو مراد یہ ہوتی ہے کہ وہ بدرجہ خاص پوری ہوگئی۔ چنانچہ جب آپ خدا سے دعا کرتے ہیں اور رحم کی التجا کرتے ہیں تو اس وقت یہ تو نہیں کہتے کہ اے قہار خدا ہم پر رحم فرما۔ اس وقت رحمان اور رحیم ہی یاد آتا

ہے لیکن جب دشمن کے ظلم سے تنگ آ کر اپنے رب کو یاد کرتے ہیں تو اس وقت رحمان اور رحیم کی بجائے قہار کا لفظ آپ کے ذہن میں جلدی آتا ہے کیونکہ یہ ایک طبعی بات ہے۔ پس روح الامین کا یہ مطلب نہیں کہ وہ دوسروں کے لئے امین نہیں تھا۔ وہ تو ایک صفت لازمہ ہے اور مراد یہ ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر جب نازل ہوا تو درجہ خاص کی صفت امانت نے اپنے جلوے دکھائے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ اپنی تفسیر کبیر میں اس آیت پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس خصوصی ذکر سے مراد یہ تھی کہ جیسی حفاظت اس کلام کو ملے گی ویسی کبھی کسی اور کلام کو نہیں دی گئی یعنی نزول کے وقت کی حفاظت تو سب کو حاصل ہوتی ہے لیکن ان معنوں میں حفاظت کہ لفظی حفاظت بھی اس کو عطا ہو اور اس کے معانی کی حفاظت کا بھی مستقلاً انتظام کیا جائے روح الامین کے نازل ہونے سے متعلق یہ پیشگوئی تھی۔ چنانچہ آنحضور ﷺ کا مقام بلحاظ امانت جتنا بلند ہوتا چلا جاتا ہے اسی قدر آپؐ کے غلاموں کی ذمہ داریاں بھی ساتھ ساتھ بڑھتی چلی جاتی ہیں۔

مطاع ثَمَّ اَمِیۡنٍ کا ایک بہت ہی پیارا اظہار اس وقت ہوا جب فتح مکہ کے وقت خانہ کعبہ کی چابیاں آنحضرت ﷺ کے سپرد کی گئیں چنانچہ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی:

اِنَّ اللّٰہَ یَاۡمُرُکُمۡ اَنۡ تُؤَدُّوا الۡاَمٰنٰتِ اِلٰۤی اَہۡلِہَا ۙ وَ اِذَا حَکَمۡتُمۡ بَیۡنَ النَّاسِ اَنۡ تَحۡکُمُوۡا بِالۡعَدۡلِ ؕ (النساء:۵۹)

کہ اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم اپنی امانتوں کو ادا کرو اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ فیصلہ کیا کرو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ فتح مکہ کے دن آنحضرت ﷺ خانہ کعبہ سے باہر تشریف لاتے وقت اس آیت کی تلاوت فرما رہے تھے۔ اس سے پہلے کبھی آنحضور ﷺ کے منہ سے اس کی تلاوت نہیں سنی گئی یعنی اسی وقت نازل ہوئی۔ مفسرین اس کی شان نزول یہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ سے اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ سوال کیا کہ یا رسول اللہ! اب آپ ہمارے پانی پلانے کے اعزاز کے ساتھ اس اعزاز کو بھی ملا دیں۔ یعنی ہم خانہ کعبہ کے دربان بھی شمار ہوں اس سے پہلے پانی پلانے کا اعزاز الگ خاندان کو حاصل تھا اور خانہ کعبہ کی دربانی کا اعزاز الگ خاندان کو لیکن حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے ان کی اس درخواست کی طرف توجہ نہ فرمائی اور پوچھا کہ عثمان بن ابی طلحہ کہاں ہے؟ جب ان کو آنحضورؐ کی خدمت اقدس

میں پیش کیا گیا تو آپؐ نے خانہ کعبہ کی چابیاں ان کے سپرد فرمائیں کیونکہ وہ اس خاندان سے تعلق رکھتے تھے جس کے سپرد پہلے خانہ کعبہ کی دربانی کا فریضہ تھا۔ چنانچہ مفسرین لکھتے ہیں کہ گویا یہ آیت حضرت عثمان بن ابی طلحہؓ کے حق میں نازل ہوئی تھی اور اس آیت کی رو سے آنحضرت ﷺ نے ان کو چابیاں پکڑا دی تھیں۔ (تفسیر ابن جریر طبری زیر آیت ان اللہ یامرکم ان تؤدوا الامانات الیٰ اھلھا) حالانکہ اس آیت کا اصل منشا کچھ اور ہے۔ وہ ان کے ذہن میں نہیں آیا۔

اصل واقعہ یہ ہے کہ خانہ کعبہ کی تعمیر کا مقصد اعلیٰ یہ تھا کہ اس میں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اللہ کی عبادت کریں کیونکہ خدا کی خاطر بنائے گئے گھروں میں سے سب سے اعلیٰ اور سب سے افضل خانہ کعبہ تھا اور اس کی شان مکینوں سے تھی نہ کہ عمارت سے، عمارت کی ظاہری شان تو کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔ یہ وہی خانہ کعبہ تھا جس میں سینکڑوں بت اکٹھے ہو گئے تھے اور جس میں ایسے گندے اور عشقیہ اشعار پر مشتمل قصیدے لٹکائے ہوئے تھے جن کو کوئی انسان کسی شریف مجلس میں پڑھ کر سنا بھی نہیں سکتا۔ پس اس عمارت کی شان تو اس کے مکینوں سے تھی۔ اسے تو خدا کے انبیاءؑ نے شان بخشی جو خدا کی خاطر اس گھر میں آیا کرتے تھے اور اس کی عبادت کیا کرتے تھے۔ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے جنہوں نے پہلے اس عمارت کو شان بخشی، پھر حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے جنہوں نے اس کو شان بخشی لیکن ابھی تک اس کا مقصد اعلیٰ پورا نہیں ہو سکا تھا اور جس مقصد کی خاطر یہ عمارت تعمیر ہوئی وہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی بعثت کے ساتھ پورا ہونا تھا تب خانہ کعبہ کی چابیاں حضورؐ کے سپرد کی جانی تھیں۔

پس اللہ تعالیٰ یہ خوشخبری دے رہا تھا کہ آج وہ دن ہے جب کہ خانہ کعبہ کی تعمیر کا مقصد پورا ہو رہا ہے، دیکھو! یہ گھر اس کے سپرد کیا گیا ہے جس کی خاطر بنایا گیا تھا۔ اس سے آنحضرت ﷺ کی ایک عجیب شان ظاہر ہوتی ہے اور مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِیۡنٍ کی تفسیر اس طرح ہمیں معلوم ہوئی کہ جب کامل طور پر آپؐ کو مطاع بنا دیا گیا اور جب بیت اللہ آپؐ کے سپرد کر دیا گیا تو پھر بھی آپؐ نے امانت کی ایسی باریک راہوں کو اختیار فرمایا کہ بطور انعام اور بطور عطا خانہ کعبہ کی چابیاں اس شخص کے سپرد کر دیں جس کے خاندان میں پہلے بھی چابیاں ہوتی تھیں اور یہ بطور حق نہیں تھا بلکہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی شان امانت کی انتہا ہے کہ جب خدا نے خانہ کعبہ آپؐ کے سپرد کر دیا تو پھر آپؐ نے

از خود اس کو کسی کے سپرد کرنا تھا اس کے لئے آپ ؐ نے اس شخص کو چنا جس کے خاندان کو چابیاں رکھنے کا اعزاز حاصل تھا۔ (تفسیر ابن جریر طبری جلد ۵ صفحہ ۴۵ زیر آیت ان الله یامرکم ان تؤدوا الامانة)

پس اس آیت کی شان نزول تو حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے تعلق رکھتی ہے نہ کہ عثمان بن ابی طلحہؓ سے۔ آنحضرت ﷺ خود بھی امانت کے انتہائی اعلیٰ مقام پر فائز تھے اور اپنے غلاموں کی بھی اسی رنگ میں تربیت فرمائی یہاں تک کہ چھوٹے چھوٹے بچے بھی امانت کے حق اور اس کی باریک راہوں کو سمجھنے لگ گئے۔ چنانچہ حضرت انس بن مالکؓ کی روایت ہے کہ میں ایک مرتبہ کھیل رہا تھا آنحضرت ﷺ نے مجھے کسی کام کے لئے بھجوادیا، میں جب ذرا تاخیر سے گھر آیا تو میری ماں نے مجھ سے پوچھا کہ کیا بات ہے آج تم گھر تاخیر سے آئے ہو تو میں نے کہا کہ حضور اکرم ﷺ نے مجھے کسی کے پاس پیغام دے کر بھجوایا تھا اس لئے مجھے دیر ہوگئی تو اماں نے پوچھا کیا بات تھی آپؓ نے کہا میں تمہیں کیوں بتاؤں یہ تو میرے آقا محمد مصطفیٰ ﷺ کی امانت ہے۔ مجھے تو حضورؐ نے اجازت نہیں دی کہ میں تجھے بتاؤں۔ ماں نے کہا ہاں بیٹے! کسی کو بھی نہ بتانا اسی طرح امانت کے حق ادا ہوتے ہیں۔ (صحیح مسلم کتاب الفضائل۔ باب فضائل انس بن مالکؓ) پس کتنی باریک تعلیم تھی اور کتنا گہرا اثر چھوڑا ہے اپنے غلاموں پر کہ بچے بھی امانت کے راز سمجھ گئے اور امانت ایسے عظیم الشان مقام پر پہنچی کہ اس سے پہلے تاریخ میں دنیا نے کبھی ایسے امین نہیں دیکھے تھے اور یہ اثر بڑی دیر تک امت مسلمہ میں جاری رہا۔

گبن ایک مشہور مورخ ہے۔ وہ ایک مسلمان بادشاہ کی امانت کے اس معیار کا ذکر کرتے ہوئے حیرت کے ساتھ اپنا سر جھکا لیتا ہے جو حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے امت میں پیدا کیا تھا۔ وہ اس بات کا واضح طور پر ذکر کرتا ہے اور لکھتا ہے کہ یہ جو میں واقعہ بیان کر رہا ہوں اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ محمد (ﷺ) نے امانت پر اتنا زور دیا ہے اور امت کو امانت کی ایسی باریک راہوں پر چلایا ہے کہ یہ اسی کا فیض تھا کہ سینکڑوں سال بعد یہ واقعہ رونما ہوا۔ الپ ارسلان کا بیٹا ملک شاہ جب بادشاہ بنا تو چونکہ اس کے والد ایسے وقت میں گزر گئے جبکہ اس کی عمر ابھی چھوٹی تھی تو شریکوں نے اور رشتہ داروں نے اپنی اپنی جگہ حکومتوں کے اعلان کرنے شروع کر دیئے جس سے ملک میں ایک عام بغاوت کی فضا پیدا ہوگئی۔ اس وقت ان کا ایک مشہور وزیر طوسی چونکہ شیعہ تھا اس نے ان کو کہا کہ کیوں نہ ہم امام موسیٰ رضا کی قبر پر چلیں اور وہاں دعا کریں اس دعا کا خاص اثر ہوگا۔ ملک شاہ نے یہ بات مان لی۔ وہ دونوں

حضرت امام موسیٰ رضا ؒ کی قبر پر گئے اور دعا کی ۔ دعا کے بعد ملک شاہ نے اپنے وزیر سے پوچھا کہ بتاؤ تم نے کیا دعا کی تھی؟ وزیر نے جواب دیا کہ میں نے یہ دعا کی تھی کہ اللہ تعالیٰ آپ کو فتح نصیب فرمائے ۔ پھر وزیر کے پوچھنے کے بغیر انہوں نے کہا کہ جانتے ہو میں نے کیا دعا کی تھی؟ میں نے یہ دعا کی تھی کہ اے خدا! اگر میرے چچا زاد بھائی مجھ سے زیادہ اس امانت کے اہل ہیں کہ تیری مخلوق پر اور مسلمانوں پر حکومت کریں تو اے خدا! آج کے دن تو میری جان اور میرا تاج وتخت مجھ سے واپس لے لے میں اس کا اہل نہیں ہوں ۔

یہ واقعہ بیان کر کے گبن لکھتا ہے کہ ساری انسانی تاریخ میں امانت کا اس سے زیادہ روشن واقعہ کوئی پیش نہیں کر سکتا لیکن ساتھ ہی وہ یہ بھی کہتا ہے کہ جانتے ہو کیوں ایسا ہوا؟ اس لئے کہ محمد مصطفیٰ ﷺ (وہ تو صرف محمد لکھتا ہے) نے اپنی امت کو امانت کے یہ طور اطوار اور یہ ادائیں سکھا دی تھیں اس وجہ سے ملک شاہ نے یہ دعا کی تھی ۔

آنحضرت ﷺ کے بعد جب آہستہ آہستہ امانت ضائع ہوگئی اور حضور اکرم ؐ کی پیشگوئیوں کے مطابق ضائع ہوئی کیونکہ آپ ؐ نے فرمایا تھا کہ آئندہ جب ساعت آئے گی تو ساعت سے پہلے جو نشانیاں ہیں ان میں ایک اہم نشانی یہ ہوگی کہ امانتیں ضائع کر دی جائیں گی ۔ لوگ بد دیانت اور خائن ہو جائیں گے جیسا کہ اس زمانہ میں ہر کسی کو یہ نظر آرہا ہے ۔

ساعت کے لفظ میں خوشخبری تھی ۔ مطلب یہ نہیں تھا کہ فوراً ساعت آ جائیگی اور پھر معاملہ ختم ہو جائے گا بلکہ اس ساعت کو مسیح کی آمد ثانی کے ساتھ وابستہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ روحانی قیامت آنی تھی اور یہ دراصل مسیح کے آنے کی نشانی تھی کہ جب بددیانتی عام ہو جائے گی خیانت شروع ہو جائے گی اور امانت اٹھ جائے گی اس وقت اللہ تعالیٰ اس مسیح کو بھیجے گا جس کے ساتھ ایک ساعت نو آجائے گی ۔ ایک روحانی انقلاب برپا ہو جائے گا ۔ مٹتا ہوا اسلام دوبارہ اجاگر ہو جائے گا ۔ پھر یہ دلوں میں داخل ہوگا ، پھر یہ اعمال میں جاری ہوگا اور دنیا کے اندر پاک تبدیلیاں پیدا کرے گا چنانچہ آنحضور ﷺ کو خدا تعالیٰ نے امین بنایا اور روح الامین کو آپ ؐ پر نازل فرمایا ۔ اس کا ایک یہ بھی تقاضا تھا کہ آپ ؐ کی امانت کو ضائع نہیں ہونے دیا جائے گا ۔ دوبارہ ایسا نظام جاری کیا جائے گا کہ یہ مٹتی ہوئی امانتیں پھر دوبارہ واپس آجائیں چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی الہاماً امین فرمایا گیا ۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو الہاماً فرمایا:

سلام علیک یا ابراھیم انک الیوم لدینا مکین امین

(تذکرہ صفحہ ۱۸۲ الہامات ۱۸۸۳)

کہ اے ابراہیم نو! اے اس نئے دور کے ابراہیم! تجھ پر سلامتی ہو **انک الیوم لدینا مکین امین** اس زمانہ میں میرے حضور تو ہی مکین اور امین ہے۔

پس ہم تو تجدید عہد کر کے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لا کر دوہری ذمہ داریوں کے نیچے آ گئے۔ ہمارا تو بہت زیادہ فرض ہے کہ ہم اس امانت کے حق کو ادا کریں اور اسے مٹنے نہ دیں۔ لوگ غلط فہمی سے یہ سمجھتے ہیں کہ امانت بڑی بڑی چیزوں میں تو ٹھیک ہے چھوٹی چھوٹی چیزوں میں کیا فرق پڑتا ہے حالانکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمیں جو سبق سکھایا ہے وہ یہ ہے کہ امانت شروع ہی چھوٹی باتوں سے ہوتی ہے۔ جو شخص چھوٹی باتوں میں امانت کا حق ادا نہیں کرتا وہ بڑی باتوں میں اس کا حق ادا کر ہی نہیں سکتا۔

میں نے پہلے آپ کو ایک واقعہ سنایا تھا اب ایک اور واقعہ سناتا ہوں۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس ایک دفعہ کسی نے کچھ مسواکیں پیش کیں۔ آپؑ بہت خوش ہوئے، کیکر کی تازہ مسواکیں تھیں، آپؑ نے ان کو بہت پسند فرمایا لیکن معاً پوچھا یہ کہاں سے لائے ہو۔ تو مسواکیں پیش کرنے والے خادم نے عرض کیا۔ حضور! میں نے یہ فلاں کھیت میں کیکر سے کاٹی ہیں۔ آپ نے فرمایا وہ تو ہمارا کھیت نہیں ہے تم نے اس کے مالک سے پوچھا نہیں اس لئے یہ مسواکیں لے جاؤ، یہ میرے لئے جائز نہیں۔ (سیرۃ المہدی جلد چہارم (غیر مطبوعہ) روایت نمبر ۱۲۲۶)

یہ بظاہر بڑی معمولی بات ہے کیونکہ آج کل مسواکیں تو درکنار لوگوں کے پورے کیکر ہی کاٹ لئے جاتے ہیں۔ آندھیوں سے جب درخت ٹوٹتے ہیں تو لوگ سمجھتے ہیں سب کا حق ہو گیا ہے خاص طور پر بنگلہ دیش میں، جب وہ مشرقی پاکستان تھا۔ ہمیں اس کا تجربہ ہوا وہاں ایک بہت خطرناک طوفان آیا تھا۔ غالباً یہ ۱۹۶۲ء کی بات ہے۔ اس طوفان کی وجہ سے بے شمار درخت ٹوٹے تھے۔ میں ان دنوں وہاں گیا ہوا تھا۔ طوفان کے ختم ہونے کے وقت یا جب وہ نرم پڑا ہم نے باہر نکل کر دیکھا، موٹر پر جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا سڑک پر قدم قدم پر درخت گرے پڑے تھے لیکن مشکل یہ

تھی کہ مسجد میں ہمارا پہنچنا ضروری تھا وہاں پہلے سے Appointment تھی۔ بھائی ظفر جن کے ہاں میں ٹھہرا ہوا تھا ان سے میں نے کہا اب کس طرح جائیں گے۔ انہوں نے کہا فکر نہ کرو تھوڑی دیر کے بعد سب سڑکیں صاف ہو جائیں گی۔ ان کو اس جگہ کا تجربہ تھا۔ چنانچہ بمشکل کوئی نصف گھنٹہ گزرا ہوگا کہ انہوں نے کہا باہر نکلو تو سہی۔ ہم موٹر پر روانہ ہوئے تو مسجد تک پہنچتے پہنچتے سڑک پر ایک بھی درخت نظر نہ آیا۔ جس طرح کیڑیاں مٹھائی پر نکلتی ہیں اس طرح لوگ آناً فاناً نکلے اور سارے درخت غائب کر گئے۔

پس امانت ضائع ہونے کا جو نقشہ محمد ﷺ نے کھینچا تھا وہ بھی نظر آیا کہ درخت غائب ہو رہے ہیں اور جب وہ امین آیا جس کے سپرد دوبارہ امانتیں سپرد کی جانی تھیں تو مسواکیں غائب ہونا بند ہوگئیں۔ کتنا فرق ہے، یہ تھا وہ وجود جسے دوبارہ امانتوں کو زندہ کرنے کا کام سپرد کیا گیا۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بہت چھوٹی باتوں میں احتیاط کی تعلیم دیا کرتے تھے اور بہت چھوٹی باتوں میں احتیاط فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ آپؑ آرام فرمارہے تھے اور سید فضل شاہ صاحب آپؑ کے پاؤں دبا رہے تھے تو دباتے دباتے آپؑ کے کوٹ کی جیب پر ہاتھ پڑا تو اندر سے ٹھیکریوں کی آواز آئی۔ انہوں نے سمجھا کہ کوئی بچہ جیب میں ڈال گیا ہے، آپؑ کو پتہ نہیں لگا۔ انہوں نے جیب میں ہاتھ ڈال کر ٹھیکریاں نکالیں اور باہر پھینکنے لگے تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آنکھ کھل گئی۔ آپؑ نے فرمایا یہ کیا کر رہے ہیں؟ انہوں نے کہا میں نے یہ ٹھیکریاں نکالی ہیں تا کہ باہر پھینک دوں۔ آپؑ نے فرمایا بالکل نہیں واپس جیب میں ڈال دیں۔ یہ میرے محمود کی امانت ہے وہ میرے پاس امانت رکھوا گیا تھا، واپس آئے گا پوچھے گا اور جب ٹھیکریاں نہیں پائے گا تو کہے گا یہ کیسی امانت کا حق ادا کرتے ہیں۔ یعنی میرے بیٹے پر کیا اثر پڑے گا کہ ساری دنیا کو امانت کی تعلیم دے رہے ہیں اور بچے کی ٹھیکریاں بھی نہیں بچا سکے۔ (اصحاب احمد جلد چہارم صفحہ ۹۹)

پس یہ وہ چھوٹی چھوٹی چیزیں ہیں جو حقیقت میں انسان کو امانت کے راز بتاتی ہیں۔ یہ ٹھیکریاں لعل وجواہر سے بڑھ جاتی ہیں جب امین کی جیب میں جاتی ہیں، اگلی نسلوں کی امانت کی حفاظت کرتی ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تو امانت کا حق ادا کر دیا۔ کیا ہم اس حق کو ادا

کر رہے ہیں جو ہم پر عائد ہوتا ہے۔ کیا ہم میں بھی کوئی ملک شاہ موجود ہے جو سینکڑوں سال گزرنے کے بعد بھی اس باریکی سے امانت پر نگاہ کرے۔ اگر ایسے لوگ کم ہیں تو خوب یاد رکھیں کہ آج کے زمانہ میں جو امانت کا حال ہے، آج زمانہ کو ایک ملک شاہ کی ضرورت نہیں ہے، آج تو جماعت کو لاکھوں ملک شاہ پیدا کرنے پڑیں گے تب یہ جہاد اسلام کے حق میں کامیاب جہاد کے طور پر آگے بڑھایا جائے گا۔

اسلامی خلق نے اس میدان میں بہت شکست کھائی ہے۔ اتنے دکھ کے مناظر ہیں کہ مشرق اور مغرب میں سب سے زیادہ خیانت مسلمان ممالک میں نظر آ رہی ہے۔ اتنے دکھ کا مقام ہے کہ وہ جو ساری دنیا کے امین بنائے گئے تھے آج ساری دنیا ان پر ہنستی ہے اور کہتی ہے یہ دیکھو خائن لوگ۔ پس اس کھوئی ہوئی بازی کو ہم نے جیتنا ہے اور اس پانسے کو پھر پلٹنا ہے۔ یہ کام ہمارے سپرد کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ ہم امانت کے باریک تقاضوں کو پورا کریں، خدا کی محبت کی نگاہیں ہم پر پڑیں اور اللہ تعالیٰ آسمان سے یہ کہے کہ اے اس امین کے غلامو! تم نے اس حق کو خوب ادا کر دیا، خوب ادا کر دیا اور خوب ادا کر دیا، اب میرے حضور تم حاضر ہو گئے تو میں تمہیں پیار اور محبت سے نوازوں گا۔ خدا کرے کہ ایسا ہی ہو۔ آمین

(روزنامہ الفضل ربوہ ۵ / فروری ۱۹۸۴ء)